نقشِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی حکومت نے سکولوں اور عصری تعلیم گاہوں کیلئے اسلامیات کے نصاب کی از سرِ نو ترتیب و تدوین کیلئے جو کمیٹی نامزد کی ہے اسکے بارہ میں پچھلے شمارہ میں ہم نے اپنے خدشات کا اشارتاً ذکر کیا تھا یہ مسئلہ عام مسلمانوں بالخصوص اہل علم اور دینی جماعتوں کیلئے جتنی توجہ کا مستحق تھا افسوس کہ اتنک اتنی ہی سرد مہری کا شکار رہا۔ یہاں کی اکثریت (MAJORITY) سنّی مسلمانوں کی ہے جن کے عقیدہ کی اساس خلفاء راشدین کے تقدّس اور تمام صحابہؓ کی عظمت پر قائم ہے۔ بچوں کے دینی نصاب پہ مستقبل میں ان کے عقیدہ، دین اور نظریہ کا دارومدار ہوتا ہے اگر اس عمر میں بچّوں کے دل و دماغ کا نازک اور پاکیزہ آبگینہ کسی غیر اسلامی جارحیت سے مجروح ہو جائے تو عمر بھر اسے جوڑا نہیں جا سکتا ضرورت اس امر کی تھی کہ غیر سنّی حضرات کو انکی جائز نمائندگی دیتے ہوئے بھی اکثریت کی رعایت بہرحال رکھی جاتی اور ایسے لوگ سنّی علماء میں سے بورڈ میں شامل کرئے جاتے جن کا علمی تبحر، دینی حمیت اور ذہنی و فکری پختگی مسلّم اور مسلمانوں میں قابل اعتماد ہوتی اور جنہیں اسلامیات کی ترویج اور اشاعت سے والہانہ لگاؤ بھی ہوتا، اور وہ کسی بھی عقیدہ اور مسلمانوں کے کسی بھی قابل احترام شخصیت کے بارہ میں امت کی پوری نمائندگی کا حق ادا کر سکتے مگر ہوا یہ کہ چند افراد کی اس کمیٹی میں نصف یا اس سے زائد نمائندگی شیعہ حضرات کو دی گئی اور وہ بھی ان کے مذہب کے پختہ اور ذمّہ دار سرکردہ افراد کو حبکہ آبادی کے تناسب سے شاید انہیں ۱/۲ نمائندگی بمشکل دی جا سکتی، پھر دوسری ناانصافی یہ ہوئی کہ دو ایک افراد کو چھوڑ کر باقی سنّی حضرات ایسے لئے گئے جنہیں نہ تو مسلمانوں کے جذبات اور معتقدات کے تحفظ سے گہرا اور جذباتی تعلق ہے نہ اسلامی علوم میں مناسب رسوخ اور گہرائی اور نہ انہیں عامۃ المسلمین کا اعتماد حاصل ہے ایسے حالات میں ہمیں بجا طور پر خطرہ ہے اور اس کے بعض شواہد بھی سامنے آ چکے ہیں کہ ایسی کمیٹی جو نصاب تیار کرے گی۔ اس میں نہ تو اکثریت کے جذبات کی پوری رعایت رکھی جا سکے گی اور نہ ابوبکر و عمر اور عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کو اُن کا صحیح مقام دیا جا سکے گا، نہ صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات اور اسلام کی اوّلیں تاریخ کو صحیح شکل میں پیش کیا جا سکے گا بلکہ "اختلافی مسائل" کے نام پر ان تمام باتوں کو نشانۂ ستم بنایا جا سکے گا، ہمیں کسی فرقہ اور طبقہ سے کد نہیں، شیعہ تو کیا دیگر اقلیتی طبقوں کو بھی ان کے دین اور مذہب کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہے۔ ہمیں ملکی یکجہتی اور ملّی اتحاد بہرحال عزیز ہے بسنّی مسلمانوں کیلئے تمام صحابہؓ واجب التعظیم ہیں کسی خلیفۂ راشد اور صحابی کی عظمت سے انہیں اختلاف نہیں، سب کو احترام اور محبت کی نظروں سے دیکھنا ان کا جزو ایمان ہے لیکن اگر خدانخواستہ معمولی سی تعداد رکھنے والے کسی طبقہ کو ان باتوں سے اتفاق نہیں اور وہ خواہ مخواہ دھڑے بازی اور عصبیت کی بناء پر ہماری ملّی یکجہتی کو حق و ناحق اور ظالم و غیر ظالم کی تقسیم سے

پارہ پارہ کرنا چاہتی ہے تو یہاں کی اکثریت ایسے کسی بھی ارادہ اور سازش کو کامیاب نہیں ہونے دے گی جس سے مسلمان بچوں کا مستقبل مخدوش اور ان کا دینی ذہن مجروح ہو سکتا ہو اور نتیجۃً اس سے ہماری قومی یکجہتی بھی متاثر ہو سکتی ہو۔ اسلئے لازمی ہے کہ ایسے کسی نصاب کمیٹی میں اقلیتی طبقوں کو ان کی شرح آبادی سے زیادہ نمائندگی ہرگز نہ دی جائے پھر سنی مسلمانوں کیطرف سے بھی ایسے راسخ العقیدہ علماء لئے جائیں۔ جن کا علم وعمل دینی تصلب، اسلامی حمیت مسلّم ہو، مسلمانوں کا ان پر اعتماد ہو اور تعلیم و تربیت سے متعلق امور میں بھی انہیں پورا تجربہ حاصل ہو۔ چند نام نہاد "ماہرین تعلیم" کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ملک کے سواد اعظم کے جذبات اور معتقدات کو اسطرح خطرہ میں ڈال کر خدشات اور بے چینی کی فضا پیدا کریں اگر حکومت نے بھی خدانخواستہ ایسے کسی نصاب کو جلدی میں منظور کروا کر نافذ کرنے کی کوشش کی تو قوم کا دل اور ضمیر، ایمان ویقین احساس اور شعور اسی طرح اسے ٹھکرا دے گی۔ جیسا کہ وہ عائلی قوانین اور اسطرح کے دیگر غیر اسلامی منصوبے بڑی حقارت سے ٹھکرا چکی ہے۔ اس لئے کہ مسلمان اپنے جگر گوشوں اور نونہالوں کو ابوبکرؓ کے دامن شفقت اور عمرؓ کے سایۂ عافیت سے نکالدینے کو اتنی آسانی سے برداشت نہیں کرسکیں گے۔

مشرقی پاکستان نیشنل عوامی پارٹی کے صدر پروفیسر مظفر احمد نے کراچی کے ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی رائے میں مذہب، سیاست اور معیشت علیحدہ علیحدہ شعبے ہیں۔ مذہب میرے سر کا تاج ہے مگر روٹی کیلئے جدوجہد سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں، اس جلسہ میں نیپ کے دوسرے رہنماؤں نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔۔ صرف نیپ نہیں بلکہ کئی دوسری پارٹیاں بھی مذہب کے بارہ میں بار بار اسی قسم کے مضحکہ خیز تصوّر کا برملا اظہار کرتی رہتی ہیں اور عام مسلمانوں کیلئے مذہب کے بارہ میں ایسی ناقص سطحی اور عیارانہ ذہنیت بجا طور پر موجب حیرت اور تعجب بن جاتی ہے یہ لوگ ایک طرف تو منافقانہ روش اختیار کرکے مذہب کو سر کا تاج کہہ دیتے ہیں مگر اس کے فوراً بعد اپنے چار پانچ فٹ جسم کی اقلیم کو بھی اس تاج کی فرمانروائی سے الگ کر دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اگر مذہب کا یہ تاج اتنا مجبور دبے بس ہے کہ پیٹ اور روٹی جیسے بنیادی مسائل میں بھی اپنی بالادستی منوا نہیں سکتا تو پھر اس تاج کو سر پر رکھنے کا تکلف کیوں کیا جاتا ہے۔؟ اور انتخابی مہم میں عوام کو ورغلانے کی خاطر قرآن وسنت کی بنیاد پر آئین کے نعروں کو ان کا ضمیر کیسے برداشت کرلیتا ہے؟ اگر احساس اور ضمیر زندہ ہو تو ایسے دوغلہ پن سے انسان خود بھی شرمندہ ہو جاتا ہے۔۔۔ مذہب اگر سیاست اور معیشت جیسی گہرائی اور گیرائی رکھنے والے مسائل پر بھی کنٹرول نہ رکھ سکے اور عبادات میں تو پہلے سے ایسے نعرہ بازوں کی جگہ صفر ہوتی۔ ہے تو آخر مذہب کس مرض کی دوا رہ جاتا ہے